○ **متاعِ عارضی:** چند روزہ پونجی۔ حُسنِ صورت متاعِ عارضی ہے۔ اس پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔
○ **حیاتِ بے سکوں:** بے سکون زندگی۔ مِل مالک کو کیا معلوم کہ مزدور کی حیاتِ بے سکوں کس طور سے گزر رہی ہے۔
○ **دُنیائے غم:** غم کی دُنیا۔ عشاق کی دُنیائے غم جفائے یار کے دم قدم سے آباد ہے۔
○ **اتفاقاتِ زمانہ:** زمانے کے اتفاقات۔ اتفاقاتِ زمانہ مفلسوں کو تونگر اور شاہوں کو گدا بنا دیتے ہیں۔
○ **ظلمت کدہ:** تاریک گھر۔ تاریک جگہ۔ دل کے ظلمت کدہ میں یادِ الٰہی سے چراغاں کرو۔

5: اس غزل میں سے محاورے تلاش کیجیے اور انھیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

جواب: ○ **پلٹا لینا:** تیزی سے بدلتے ہوئے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دُنیا کوئی پلٹا لینے والی ہے۔
○ **کام آنا:** دُکھی انسانیت کے کام آنا ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی ہے۔

☆☆☆

تابش دہلوی ــــــ (1913ء۔2004ء)

شاعر کا تعارف: تابش دہلوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنا بچپن اور جوانی اسی شہر میں گزاری۔ ان کی ذہنی اور ادبی تربیت اسی شہر میں ہوئی۔ تابش کو دَورِ جدید میں دہلوی دبستان کا آخری اہم نمائندہ شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کراچی میں مقیم ہوئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔ انہوں نے ریڈیو پاکستان کراچی کے لیے سکرپٹ اور فیچر لکھنے کا کام بھی کیا اور صدا کاری بھی کرتے رہے۔ تابش دہلوی کا تخلیقی سفر ستر برس سے زائد پر محیط ہے۔ غزل ان کا خاص میدان ہے۔ وہ عظمتِ انسان کے نقیب ہیں۔ ان کی زبان میں دہلی کی سادگی اور چاشنی ہے۔ حسن، عشق، ہجر و وصال اور تصوف جیسے روایتی مضامین کے علاوہ وہ انسان کے معاشی اور فکری مسائل کو بھی موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ روزمرہ اور محاورات کے استعمال کے حوالے سے ان کا کلام بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کی غزل گوئی نے کراچی کی شاعری کو ایک منفرد لب و لہجہ بخشا اور غزل گو شاعروں کی تین نسلوں نے ان کے فن سے رہنمائی حاصل کی۔

غزل ــــــ تابش دہلوی

شعر 1: **سکوں درکار ہے لیکن سکوں حاصل نہیں ہوتا**
ذرا جو دل کو ٹھہرا دے وہ دردِ دل نہیں ہوتا

مفہوم: سکون کی ضرورت ہے لیکن سکون نہیں ملتا، جس میں دل کو عارضی سکون مل جائے۔ اسے دردِ دل نہیں کہا جاسکتا۔

تشریح: حساس دِل بڑی نعمت ہے۔ یہ آدمی کو انسان بناتا ہے۔ اس کی موجودگی انسانیت کی دلیل ہے۔ غزل

کے مطلع میں تابش دہلوی نے دلِ حساس کے باعث درپیش مسئلے کا ذکر کیا ہے۔ حساس دل رکھنے والا آدمی زندگی بھر سکون کی تلاش میں رہتا ہے لیکن اسے سکون نہیں ملتا۔ معاشرے میں موجود ناانصافی، ظلم، بدامنی اور بدصورتی اس کا سکون چھین لیتی ہے۔ وہ ذاتی زندگی میں کامیاب اور آسودہ حال بھی ہو تو بے چین اور بے قرار ہی رہتا ہے۔ اُس کی اس حالت کا ذمہ دار دردِ دل ہوتا ہے۔ یہ درد ایک پل کے لیے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ دل کو ایک لمحے کے لیے چین نہیں ملتا۔ تابش کہتے ہیں کہ جو درد ذرا سی دیر کے لیے دل کو سکون کی مہلت دے دے۔ میں اس کو دردِ دل نہیں مانتا۔ دردِ دل کی تو سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ مسلسل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی مختصر سے مختصر وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ درد حساس دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ حساس دِل اور بیدار رُوح عطیہ خداوندی ہے لیکن یہ عطیہ استحصالی معاشرے میں زندگی گزارنے والے انسان کے لیے مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔

بقول احمد ندیم قاسمی:

ایک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی

روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

شعر 2: **کبھی ہر جلوۂ صدرنگ حاصل تھا نگاہوں کو**

اب اشکِ خوں بھی چشمِ شوق کو حاصل نہیں ہوتا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جلوہ صدرنگ**: سو رنگ کا نظارہ ○ **اشکِ خوں**: خون کا آنسو۔

مفہوم: کبھی خوبصورت اور رنگارنگ مناظر آنکھوں کی دسترس میں تھے۔ اب چشمِ شوق خون کے آنسو بہانے کے لیے بھی ترستی ہے۔

تشریح: انسان فطری طور پر اپنے ماضی سے محبت کرتا ہے اور اگر ماضی سے کچھ خوشگوار اور حسین یادیں بھی وابستہ ہوں تو پھر اس کا تذکرہ عجیب لطف اور وارفتگی پیدا کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ تابش دہلوی اپنے ماضی کا ذکر حسرت آمیز لہجے میں کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں میری نگاہیں صدرنگ مناظر دیکھتی تھیں لیکن اب وہ دور گزر چکا ہے اور آنکھیں آنسو بہانے کے لیے ترس رہی ہیں۔ پانی کے قطرے تو ایک طرف، اب آنکھوں کو اشکِ خوں بھی میسر نہیں۔ یہ محرومی کی انتہا ہے۔ ماضی میں محبوب کا دیدار حاصل تھا۔ اس کے جلوے آنکھوں کی تشنگی کو سیراب کرتے تھے۔ اس کا وصال زندگی کا جواز تھا۔ اب نگاہیں دیدارِ یار سے محروم ہیں۔ ہجر کا زمانہ ہے۔ اشکِ غم مونس ہجراں ہوتا ہے لیکن اب چشمِ شوق اس سے بھی محروم ہے۔ تابش دہلوی نے ماضی اور حال کا تقابل کر کے تضاد کی کیفیت کو واضح کیا ہے۔ ان کا لہجہ بہت مؤثر ہے۔ ایک اور شاعر نے اِس سے ملتا جلتا مضمون ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اب تو اتنی بھی میسر نہیں مے خانے میں

جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانے میں

شعر3: ہر اِک کارِتمنا پر یہ مجبوری ' یہ مختاری
مجھے آساں نہیں ہوتا ' تجھے مشکل نہیں ہوتا

مفہوم: ہر خواہش کے ساتھ یہ مجبوری ہے کہ اس کی تکمیل میرے لیے آسان نہیں ہوسکتی اور محبوب کے لیے مشکل نہیں ہوسکتی۔

تشریح: تابش دہلوی نے صوفیا کے ''نظریہ جبر'' کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں انسان کو مختار سمجھنے والے بھی بالواسطہ طور پر اس کی مجبوری ہی کی صداقت کے قائل ہوتے ہیں۔ انسان جو کام بظاہر اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ دراصل وہ انہیں انجام دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ تابش کہتے ہیں کہ اپنی ہر خواہش کی تکمیل کے حوالے سے جس طرح میں مجبور ہوں۔ اسی طرح میرا محبوب (جو بظاہر بااختیار نظر آتا ہے) بھی مجبور ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میری خواہش پوری نہیں ہوسکتی' مجھ پر زندگی آسان نہیں ہوسکتی۔ میں ناکام ہونے پر مجبور ہوں۔ میری نارسائی میری مجبوری ہے۔ دوسری طرف محبوب ہے جو کامیاب ہے لیکن کامیابی اس کی مجبوری ہے۔ اس کے لیے آسانیاں لکھ دی گئی ہیں۔ کامیابیاں اس کا مقدر ہیں۔ ہر خواہش پوری ہونا اس کی قسمت ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو ناکام نہیں ہوسکتا' جس طرح میں ناکام ہونے پر مجبور ہوں۔ بالکل اسی طرح وہ کامیاب ہونے پر مجبور ہے۔ میری اور اس کی مجبوری میں فرق صرف اتنا ہے کہ میں ناکامی کی وجہ سے مجبوری کا گلہ کرتا ہوں اور وہ کامیابی کی وجہ سے مجبوری کو خوش قسمتی سمجھ کر خاموش رہتا ہے۔ حقیقتاً دُنیا میں سب مجبور ہیں۔ اختیار صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔

شعر4: ہمیں ہنگامہ آرا تھے مگر ہم جب سے ڈوبے ہیں
کوئی طوفاں نہیں اُٹھتا کہیں ساحل نہیں ہوتا

مفہوم: ساری ہنگامہ آرائی ہمارے دم قدم سے تھی۔ ہمارے ڈوبنے کے بعد سمندر میں کوئی طوفان اُٹھ رہا ہے نہ کوئی ساحل کی تمنا کر رہا ہے۔

تشریح: تابش دہلوی نے واضح کیا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں قیادت اور سرکردگی چند افراد ہی کا حصہ ہوتی ہے۔ باقی لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی حیات کا انحصار چند نمایاں' متحرک اور فعال شخصیات پر ہوتا ہے۔ باقی اہلِ معاشرہ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی گفتگو کو متحدہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی گفتگو سمجھا جاتا تھا۔ قائد دُنیا سے گئے تو آج تک کوئی ایسی شخصیت پیدا نہ ہوئی جسے یہ اعزاز حاصل ہوسکے۔ چند افراد معاشرے کی شان اور ملک کی پہچان ہوتے ہیں۔ ملک یا معاشرہ ان سے محروم ہوجائے تو زندگی ٹھہری جاتی ہے۔ تابش کہتے ہیں کہ سمندر میں ہنگامہ آرائی ہمارے دم قدم سے تھی۔ ہم لہروں سے جنگ لڑنے کی اہلیت اور حوصلہ رکھتے تھے۔ ہم دوسروں کو بھی یہ حوصلہ دینا چاہتے تھے۔ طوفانوں سے ہمارا تصادم سمندر اور ساحل پر ہلچل کا باعث تھا لیکن جب ہم ڈوب گئے تو پھر کسی نے پار اُترنے کی خواہش ہی نہیں

کی۔ سب راضی برضا ہو کر بیٹھ گئے۔ اب سمندر میں کوئی طوفان نہیں اُٹھتا۔ زندگی کا حُسن اس کے چیلنج قبول کرنے والوں کے دم قدم سے ہے یہ بہادر لوگ نہ رہیں تو پھر زندگی میں کوئی کشش اور ہنگامہ آرائی باقی نہیں رہتی اور ایک جمود سا طاری ہو جاتا ہے۔

شعر 5: **تماشا سوز ہے ہر جلوۂ انداز یکتائی**
تمھیں تم ہو کوئی پردہ بھی اب حائل نہیں ہوتا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **تماشا سوز:** نظارے کو جلا دینے والا ○ **انداز یکتائی:** واحد ہونے کا انداز۔

مفہوم: وحدت کا ہر جلوہ دیگر تمام جلووں کو جلا ڈالنے والا ہے۔ ایک بار یہ جلوہ نظر آ جائے تو پھر طالب و مطلوب میں حائل تمام پردے دُور ہو جاتے ہیں۔

تشریح: تابش دہلوی نے عشقِ حقیقی کی ایک عظیم منزل کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ ایک صوفی باصفا کی نظر کی رسائی کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ وہ نظر ہے جو محبوب کے جلووں میں محو ہے۔ تابش کہتے ہیں کہ وحدت کا جلوہ دنیائے فانی کے تمام مناظر کو جلا ڈالتا ہے۔ یہ صرف شاعرانہ خیال نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ دُنیا کی کوئی شے تجلی ذات کی ہلکی سی ہلکی جھلک کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے طور جیسے عظیم پہاڑ پر اپنی تجلی نازل فرمائی تو پہاڑ جل گیا۔ اسی طرح دیگر عظیم اجسام اور اشیا تجلی کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتے۔ یہ صرف صوفی کا قلب مطہر ہے۔ جو جلوہ کبریا کا نظارہ کرتا ہے۔ درد کہتے ہیں:

ؔ ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دِل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

جلوہ کبریا جب دُنیا کے تمام نظاروں کو جلا ڈالتا ہے تو پھر عشقِ حقیقی میں ڈوبے ہوئے دِل اور تجلی ذات میں کوئی پردہ نہیں رہ جاتا۔ دُنیا کے مناظر دراصل پردے ہیں جو عاشق کی آنکھ کو محبوبِ حقیقی کا جلوہ دیکھنے نہیں دیتے۔ محبوب کا ایک جلوہ ان مناظر کو جلا دیتا ہے۔ سب پردے گرا دیتا ہے تو پھر عاشق کو ہر طرف محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے۔

شعر 6: **رہا اِک اِک قدم پر پاسِ آدابِ طلب ورنہ**
وہاں ہم تھے جہاں پانا ترا مشکل نہیں ہوتا

مفہوم: ہم نے ہر قدم پر آدابِ عشق کا خیال رکھا ورنہ تجھے حاصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔

تشریح: عشق ایک تہذیب کا نام ہے۔ یہ آدمی کو ادب سکھاتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

عاشق انتہائی مؤدب اور مہذب شخص ہوتا ہے۔ محبوب کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں بھی وہ ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جو خلاف ادب ہو۔ مشرقی عاشق کی یہی شان ہے۔ وہ مغربی